⊙ ڈاکٹر شگفتہ حسین
پروفیسر ایمرائیٹس، وومن یونیورسٹی، ملتان

طاہرہ اقبال بحیثیت ایکوفیمنسٹ

Abstract:

"Eco-criticism is the study of the relationship between literature and the physical environment". But this study is performed with keen understanding of the environmental crises of modern times and thus must inform personal and political actions. Eco-criticism is not a new trend but it has been growing continuously for a long time because of the sustained global environmental crises. Many critics emphasize the interdisciplinary nature of the enquiry, which is informed by ecological science, politics, ethics, women's studies and history among other academic fields. A related but distinct field of literary study, eco-feminist literary criticism, examines the representations of nature by women. As a branch of eco-criticism, eco-feminism primarily analyzes the interconnection of the oppression of women and nature and draws domination of men over women. Tahira Iqbal is a wonderful contemporary Urdu short story writer. She presents the ordinary but remarkable characters living in the hub of nature in the villages of Punjab. Usually such works show a retreat from city life to country while romanticizing rural life but Tahira Iqbal never does that. She portrays the demons four rural areas and highlights the tension between pastorals and progressive ideals as well. She believes that women are inherently closer to nature biologically, spiritually and emotionally. In this article it has been tried to analyze Tahira Iqbal's short stories as an eco-feminist writer.

Keywords:

Criticism Eco-Criticism Tahira Iqbal Feminism Feminist

لفظ Eco - logy کی جڑیں یونانی زبان میں پیوست ہیں۔Oikos کا مطلب ہے 'گھر'۔اگر اس لفظ کو وسیع معنی پہنائیں تو گویا پوری دنیا ہمارا گھر ہے۔Logos کا مطلب ہے 'توجیہہ'، 'دلیل' یا 'مطالعہ'۔قدیم یونانی فلسفیوں بقراط اور ارسطو نے نیچرل ہسٹری پر غور وفکر کرتے Eco-logy کی بھی بنیاد رکھی تھی۔جبکہ جدید Eco-logy انیسویں صدی کے اواخر میں ایک مشکل سائنس میں ڈھل گئی تھی۔Eco-logy تمام ذی ارواح کے باہمی تعلقات اور ان کی اپنے اردگرد کی فضا سے ہم آہنگی کا مطالعہ ہے اور Eco-criticism ادب اور مادی یا طبعیاتی ماحول کے درمیان تعلق کے مطالعے کا نام ہے۔لیکن اس مطالعے کے لئے جدید دور کے ماحولیاتی بحرانوں سے جان کاری بہت ضروری ہے۔ Eco-criticism کوئی نئی چیز نہیں ہے۔صرف اتنا ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے سبب اس کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے۔Eco-feminist Literary Criticism بھی Eco-criticism کی ایک برانچ ہے جس میں خواتین کے حوالے سے فطرت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

Eco-feminism کی اصطلاح ۱۹۷۰ء کے اواخر اور ۱۹۸۰ء کی ابتداء میں متعارف ہوئی۔ یہ ایک ایسا نقطہ نظر ہے جو فطرت کے استحصال اور تضحیک اور عورت کے استحصال اور اس پر روا رکھے جانے والے ظلم واستبداد کے درمیان تعلق کا جائزہ لیتا ہے۔اس میں خواتین اور فطرت پر ڈھائے جانے والے جور وستم کا لسانی تعلق کے حوالے سے بھی مطالعہ کیا جاتا ہے کہ ان کے لئے جنسی تعصب زدہ زبان استعمال کی جاتی ہے، جس میں عورتوں، جانوروں اور زمین کے لئے ایسی زبان استعمال کی جاتی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ یہ حقیر ہیں۔۔۔اس مرد کے معاشرے میں اور مردوں کے ہی بنائے ہوئے کلچر میں۔۔۔!اس کلچر میں عورتوں سے جانوروں جیسا سلوک کرتے ہوئے اُن کے کمتر ہونے کا جواز پیش کیا جاتا ہے اور اپنے غلبے اور استحصال کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔

Eco-feminist سمجھتے ہیں کہ عورتوں پر مردوں کی حکمرانی اور ماحول کی تباہی دونوں کا آپس میں بڑا قریبی تعلق ہے۔وہ یہ تجزیہ بھی کرتے ہیں کہ بالکل عورتوں کی طرح زمین کو بھی معصوم و نازک نسائی وجود تصور کیا جاتا ہے جو استحصال کے لئے انہی کی طرح بہت زرخیز ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ استحصال کسی کا بھی ہو اور امتیاز کسی سے بھی برتا جائے اس کا تعلق Eco-feminism سے بنتا ہے۔ چنانچہ وہ صنفی، نسلی، طبقاتی اور سامراجی استحصال کے خلاف بھی احتجاج کرتے ہیں۔وہ ثنائی تقسیم مثلاً میں/تو، کلچر/نیچر، مرد/عورت، انسان/جانور، اور گورا/کالا کے بھی سخت خلاف ہیں۔لیکن سب سے بڑھ کر وہ عورت کی بری حالت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اس کے حقوق کو منوانے کے قائل ہیں کیوں کہ ان کا ماننا ہے کہ مرد کے نزدیک عورت کی حیثیت ایک Object سے زیادہ کچھ نہیں۔

اردو ادب میں دیہاتی زندگی کی پیش کش یا عورت پر روا رکھنے جانے والے مظالم کی کہانیاں سنانا کچھ ایسا نیا نہیں ہے۔لیکن ایسی کہانیاں مرد افسانہ نگاروں نے بیشتر لکھی ہیں۔عورتوں کے شرعی حقوق کے لئے بلند ہونے والی پہلی آواز بھی ایک مرد کی ہی تھی۔ علامہ راشد الخیری نے افسانہ لکھا 'شرع کا خون'(۱) لیکن خواتین کی طرف سے کوئی احتجاجی فن پارہ سامنے نہ آیا۔شاید، یہی کمی محسوس کی ڈاکٹر محمد علی صدیقی صاحب نے تو انہوں نے بھی شکوہ کیا کہ ابھی وہ زبان وہ آنکھ پیدا نہیں ہوئی جو عورت کی آنکھ سے دیکھے اور عزت کی زبان سے بیان کرے اور یہ بھی کہ۔۔۔'ہماری زبان ابھی تک مردوں

کے حق میں جانب دار ہے'(۲)۔ اسی لئے منٹو نے بھی دعویٰ کر دیا کہ 'عورت خواہ بازاری ہو یا گھریلو خود کو اتنا نہیں جانتی جتنا اس کو مرد جانتا ہے'(۳) لیکن اب یہ روایت ٹوٹ گئی ہے۔ اب عورت کے بارے میں ہمارے معاشرتی رویوں پر مبنی حقائق کے بیانیے آپ کو خواتین لکھاریوں کے ہاں تواتر سے ملتے ہیں۔ ان خواتین میں ایک مقبول و معروف نام کہانی کار طاہرہ اقبال کا ہے۔

طاہرہ کا پہلا افسانوی مجموعہ 'سنگ بستہ' ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آیا اور باذوق قارئین کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ طاہرہ بنیادی طور پر 'دخترانِ زمین' کی کہانیاں بنتی ہیں یہ دخترانِ زمین نیلی بار اور گنجی بار کے روڑوں، گیٹوں پھلاہی اور بے برگ کیکر کے سُولوں میں جنم لیتی ہیں، واور ولوں میں جیتی ہیں، کرکیچ دھول پھانکتی ہیں اور 'فرزندان زمین' کی ازلی و ابدی بھوک مٹاتے مٹاتے مر جاتی ہیں۔

طاہرہ کے ایسے افسانے جن میں دیہات اور دیہاتیوں کی ترجمانی ہے، ان سب افسانوں کا لینڈ سکیپ وہ دیہات ہے جو ان کی اپنی رگ رگ میں رچا بسا ہے۔ سخت گیر باپ کی لگائی پابندیوں میں بیتا بچپن اور جوانی ان کی Long Term Memory کا اٹوٹ حصہ ہے۔ حویلیوں کے بند دروازے اور کھڑکیوں پر ٹھکا ٹھک لگتے کیل اور پھٹے ان کی روح میں اُترے ہوئے ہیں۔ یہ جگ بیتی نہیں ہڈ بیتی ہے۔ طاہرہ کے گھر پر پردہ اتنا سخت تھا کہ ایک مرتبہ گلی میں ہیجڑوں کا ناچ گانا ہو رہا تھا۔ انہوں نے کھڑکی سے دیکھ لیا۔ والد صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے کھڑکیوں پر لوہا لگوا کر کیل ٹھونکوا دیے۔(۴)

طاہرہ کے پہلے افسانوی مجموعے 'سنگ بستہ' کی پہلی کہانی 'شب خون' اور چوتھے افسانوی مجموعے 'گنجی بار' کی کہانی 'پکھی' میں طاہرہ کے اس تجربے کی بازگشت سنائی دیتی ہے:

> ''اور بڑے خان صاحب نے اس سنگین جرم پر اپنی بیوی اور نوکرانی کو سخت سزا دی۔ اس سے بڑا گناہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس خاندان کی بچی پر کسی غیر مرد کی نگاہ پڑے۔ پھر بچی کی دلدوز چیخیں اور اس کی ماں کی دلگداز منتیں اس حویلی کی کوہ ہمالیہ جیسی بلند و بالا اور اٹل روایات کو نہ توڑ سکیں اور بالآخر بچی ہمیشہ کے لئے لنگڑی ہو گئی۔''(۵)

> ''معصومہ بی بی پچھواڑے کا پٹ کھولے لمبے لمبے سانس کھینچتی تھی۔۔۔ سائیں لماڈ کا رلے کر اٹھا اور پچھواڑے کی کھڑکی کھڑک کر کے بند ہوئی۔ سائیں نے پکار کر کہا۔ ''اوئے رلئے! سارے کام چھوڑ، پہلے کھڑکیوں کے باہر چرنا لگا کر کیل ٹھونک دے۔ مٹی گھٹا اندر جاتا ہے۔۔۔ اندر حویلی میں۔۔۔''! معصومہ بی بی سیل بند کھڑکی سے پشت لگائے لرزتی تھی جس پر بجتا ہوا ہتھوڑا ایک ایک کیل لکڑی کے سینے میں اتارتا تھا''۔(۶)

انہوں نے ساتویں جماعت کے بعد پرائیویٹ تعلیم حاصل کی مجبوری تھی لیکن انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اندھے کنوئیں میں ہاتھ پیر مار رہی ہوں(۷)۔ اپنے گاؤں کی بند چار دیواری میں انہیں ایک اور تجربہ بھی ہوا۔ ان کے کمرے کے پیچھے اصطبل تھا۔ گھوڑے پوری رات ان کے کمرے کی دیوار پر ٹھک ٹھک سم مارتے تھے اور وہ محسوس کرتی

تھیں کہ گھوڑوں کے سُم وہ گھنٹیاں تھیں جوانہیں کچھ کرنے کی یاد دہانی کرواتی رہتی تھیں (۸)۔ان کے افسانوں 'گلابوں والا ڈیرہ' کی مشکی کی ٹھک ٹھک (مشمولہ: زمین رنگ، ص۱۹) اور 'رخصت پا گیا' کی دھول اڑاتی، سُم پٹختی تھا روبریٹ مربع پال گھوڑی (مشمولہ: گنجی بار، ص۱۳) اس یاد دہانی کی تخلیق ہیں۔ حال ہی میں منظر عام پر آنے والے طاہرہ کے ناول 'نیلی بار' کا اہم کردار 'پاکیزہ' طاہرہ کی ہم زاد ہے:

''کہانیاں سننے والی لڑکی اب خود کہانیاں جوڑنے لگی تھی۔ جس نے پڑھا تو بس یونہی سا تھا لیکن اس کے وجود میں کوئی قلم کتاب لئے لکھتا تھا اس کتاب کو قدرت نے خود اس کے بدن کی رحل پر رکھ دیا تھا۔ کہانیاں تو زمینی تھیں لیکن بیاض آسمانی پر رقم ہوئی تھیں جو ہر ہر زمین چہرے پر لکھی ہوئی تھیں''۔(۹)

طاہرہ نے اپنے افسانوی مجموعے 'گنجی بار' کا انتساب اپنے والد 'ملک فیض اللہ خان اعوان' کے نام کیا ہے۔ یہ انتساب بذات خود ایک مختصر کہانی ہے۔ بین السطور معانی تک رسائی کے لئے کسی ژاک دریدا کی ضرورت نہیں:

''ہر بات، ہر عمل، ہر موقع پر ایک حکم، ایک ضابطہ، ایک حد، ایک تیسری آنکھ ساتھ لگی رہ گئی ہے۔۔۔ابو جی! مر کر بھی آپ کی حکمرانی کی عادت نہ گئی۔''(۱۰)

طاہرہ کی کہانیوں میں تخلیقی مبالغہ یقیناً ہوگا لیکن وہ جن واورولوں کے ساتھ گھومتی ہیں اور برسیم کے جن پھولوں کو سونگھتی ہیں، کھالے بنے ٹاپتی پھرتی ہیں وہ ان کی اپنی گنجی بار، نیلی بار ہے جسے انہوں نے کالرج کی طرح خواب میں نہیں دیکھا، ہنڈایا ہے، ورتا ہے، پہلے اپنی روح میں قطرہ قطرہ اتارا ہے، جذب کیا ہے تب کہیں جا کر یہ دھرتی کی بو باس ان کی کہانیوں کا رزق بنی ہے۔

ورڈز ورتھ، کیٹس اور شیلے کو پڑھنے کے بعد فطرت اور دیہات کی معصومیت پر بڑا پیار آتا ہے۔ رہی سہی کسر احسان دانش کی دیہات کی شام کے حسین نظارے نکال دیتے ہیں لیکن جب اسی رومان کے نشے میں ڈوبے ہم طاہرہ کے دیہات میں داخل ہوتے ہیں تو سارا رومان بھک سے اڑ جاتا ہے۔ وہ بڑی ایمان داری سے آپ کو دیہاتی Demons سے ملواتی ہیں۔ یہ Demons صرف ملک، چودھری اور وڈیرے نہیں ہیں ان میں دوسرے بھتنے، موچی، میراثی، مصلی، کمی کمین بھی ہیں۔ ان سب میں دیہات کی، فطرت کی وہ سادگی اور معصومیت نہیں ہے جسے ہم Romantacise کرتے ہیں۔ یہاں عورت کو شہوانیت اور بربریت کی بھینٹ چڑھانے میں سب برابر کے شریک ہیں۔ یہ سب ایک ہی بھوک میں مبتلا ہیں۔۔۔جنسی بھوک میں!!

''کیوں آتا ہے میرے پیچھے کتے کی طرح، بو سونگھتا ہوا''۔(۱۱)

''دینو کی چارپائی سے لڑکے، بالے، شادی شدہ اور ٹھرکی بڈھے ہر وقت چپکے رہتے جیسے وہ چارپائی نہ ہو بلکہ شہد کی بوتل ہو''۔(۱۲)

''اس نے کچا بھٹہ کچر کچر چر کے چلا کے دور پھنکائے، دانتوں اور مسوڑوں پر جما اور ریخو میں پھنسا کچی مکی کا گودا جھڑنے لگا اور باچھوں سے ٹپکتا ہوا دودھ بہنے لگا، مکروہ اور متعفن''۔(۱۳)

''کیا سانولی رنگت میں اتنی رس بھری آتش بھی ہوسکتی ہے، جیسے بھٹی کے بدن سے لمبی لہراتی زبانیں۔۔۔اناری رس چوستی ہوئی۔۔۔دل کا بوکا بھر بھر آیا تھا۔میرے منہ ناک سے ٹپکتے بے طرح پانی پر چاچا جی نے قہقہہ لگایا۔''بھجوادوں دو چار روز کے لئے بنگلے پر۔''(۱۴)

''اس کے گرداگرد اَن دُھلی داڑھی کے گچھوں اور مونچھوں کی گھپاؤں میں سے رالیں ٹپکتی تھیں۔''(۱۵)

''اس وقت گاؤں کے مردوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہتا کہ وہ ہٹی پر بجتے فلمی گانوں کی تال پر سیٹیاں اور چٹکیاں بجائیں اور مونچھوں پر ٹپکتی رال کو چوس کر گالیاں چبا چبا تھوکیں۔۔۔''لُچی، بدمعاش، لفنگی۔''(۱۶)

عورت کا جنسی استحصال طاہرہ کے پیش کردہ گنجی بار میں روز کا تماشا ہے۔اس لئے کہ۔۔۔

''زبان نیا چٹخارہ مانگتی ہے ورنہ گھر کی بھاجی ترکاری زیادہ پاک صاف ہوتی ہے۔''(۱۷)

گاؤں کی وہ لڑکیاں جو۔۔۔

''سنی کے بوٹے کی کیسری چھمکوں کی طرح ساری فصلوں میں الگ لہراتی نظر آتیں''۔۔۔اور جن کے۔۔۔''نرمے کی عنابی گڈی جیسے لب جب وا ہوتے تو لون بریسم اور سبھی پھولوں کی کٹوریوں میں سے مدھو کھیاں گھونٹ بھرتیں، کڑیالے سانپ قدموں کے نشانات پر لہریئے بناتے اور سپیرے راہوں میں بین بجاتے پھرتے۔''(۱۸)

ان پر پہلا حق ملکوں کا ہوتا ہے۔گلابوں والا ڈیرہ کی گلابو، پردہ دار حویلی کی ریشماں، رخصت پا گیا کی خبری سنیاری، حسن کی دیوی کی رانو، گندا کیڑا کی گوری، رخصت پا گیا کی مراد و کجری اور کھندے کی سلو، سب کے حسن کو پہلا خراج ملکوں نے ہی پیش کیا اور اس میں تخصیص نہیں کہ ملک جوان ہے یا بوڑھا، باپ ہے یا بیٹا:

''ہاں کولی کولی ہے پر اس سے پوچھ کہ میں کتنا بوڑھا ہوں'' گلابو جواباً شرمائی تو میں پانی پانی ہوگیا۔''(۱۹)

''ریشماں کسی نائی موچی سے نکاح کر کے نہیں گئی تھی بلکہ چھوٹا نمبردار اسے بھگا کر لے گیا تھا۔''(۲۰)

''اری کھچری شک تو مجھے بہت پہلے سے تھا۔کون سا مہینہ لگا ہے۔بول! چھوٹے کا ہے، بڑے کا، یا منجھلے کا یا پھر۔''(۲۱)

اور باقی رہیں وہ جن کے 'مہینوں کے ان دھلے بال، گڈھیں بھری چندھی آنکھیں سنک ابلتی چپٹی ناک' ہے(۲۲) اور جن کی میل میں گندھی جٹاؤں میں جوؤں اور لیکھوں کے گلے افزائش پاتے ہیں'(۲۳) ان پر نوگزے بزرگ کی قبر کے ملنگ، اکو نائی، کپڑے کی دکان والا، باکو موچی اور گلو درزی ہاتھ صاف کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں:

''اس کی جھگی کا در توڑ کے اندر آنے والے دو چار یا پانچ تھے۔وہ شب بھر چیختی رہی پر غوطائے

ہوئے پودوں میں سے پانی نکالنے والا آج شاید کوئی نہ تھا یا شاید سارے اکٹھے ہو کر اس کی جھگی پر ٹوٹ پڑے تھے۔''(۲۴)

''نوگزے کی قبر سے اٹھنے والا قلندروں، مستوں، ملنگوں کا لشکر نیزے، بلمیں، تیر تلواریں سونتے اس کے سر پر آن پہنچا تھا۔۔۔لمبی جٹاؤں، داڑھی اور مونچھوں کی غلیظ کھال میں ڈھکے سائیں بابا نے ہرے چوغے کی کھلی آستینیں چڑھائیں اور ہنہناتے ہوئے گھوڑوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔۔۔''امامت میں کروں گا۔ تم سب جماعت کے واسطے صف بنا کر اقامت میں رہو''۔۔۔چناں کی چیخیں کونڈی نما سیاہ ہاتھوں کے پیالے میں بجتی رہیں جن سے بھنگ کی وحشی بو اٹھتی تھی۔''(۲۵)

ان Pastoral Demons میں دلال بھی کمال کے ہیں اپنی بہنوں بیٹیوں اور عورتوں کا کمال بے غیرتی سے سودا کرتے ہیں اور اگر موقع مل جائے تو اپنے ہی گھر کے سودے پر ہاتھ بھی صاف کر جاتے ہیں۔

''سلو بہن بڈھا ملک نہیں رہ سکدا''۔۔۔''کیا کہتا ہے موا''۔۔۔''تجھے مانگتا ہے''۔۔۔دُھکاتے کمینہ کھا کھا کے رجتا نہیں۔ چل دیکھتی ہوں کمینے کو۔''(۲۶)

اور پھر۔۔۔

''ناہموار منڈیر پر بار بار لڑھکتا ہوا عارفہ اچانک پھسلا، سلو سیدھے منہ کھال میں بھر گئی۔ سیاہ دھوتی میں ہوا بھر کر چھاتا سا بن گیا۔''اندھا! سور کی اولا دھکا کیوں دیا''۔۔۔ہٹ پرے سور کی کتی'' بوجھ تلے آواز سینے کی دھک دھک میں گھر گھرانے لگی۔۔۔کلائیوں میں پھنسی لال ہری چوڑیاں ریتلی گارمیں کڑک کڑک اتر گئیں۔''(۲۷)

''کوٹھے میں رہنا چاہتی تھی اپنے مرد کے ساتھ دوسروں کے مردوں کے ساتھ نہیں، پر اپنا مرد تو نامرد ہے بے غیرت۔'' چنی کے گال کی گڈی میں بھرا شبنم سوکھنے لگا اور حلق چرا گیا۔۔۔''سن رہے ماں وڈی! سن ری ہے کاٹ کے رکھ دوں اس کی لمبی جیب''۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''رلیئے تو جیب کاٹ ڈالے گا تو پھر وہ کیا چوسے گا اور پھر تیرا قرضہ۔۔۔۔ یہ ساوی کے چسکے۔۔۔۔تے کوڈیاں۔۔۔''(۲۸)

''پکھیوں کی قبریں دھول کے سینے میں دھنسی تھیں، جہاں عورتیں اور مرد اپنے اپنے مرد اور عورتیں ادل بدل کر سوئے تھے۔ باسو کی رانڈ اپنے سسر کی پکھی میں تھی اور کینو اپنے دیور کی جھگی میں اور ولو اپنی ہی بیٹی کی پکھی میں انگڑائیاں توڑتا تھا۔''(۲۹)

''اکو سارے دانے مانے، ملکوں کے لئے ہی، کوئی اوکھر موکھر ادھر بھی کبھی چکان''۔''حاضر سائیں حاضر آج ہی حاضر۔۔۔'' دانہ کیا کم ہے؟''۔''پکا اور مٹھا رس ٹپکا تا''۔''نام بول''۔ ''مرادو گجری۔ پکی پیلوں شہتوت سی گول''۔''ہے تو ورتی ہنڈی، پر چل گزارہ سہی۔''(۳۰)

اور یہ جو ورتی ہنڈی پر گزارہ کرتے ہیں ان کے گھروں کی عورتیں اپنے جسم کے تقاضوں سے چوران کے کمی کاروں کی چوکھٹ جا کھٹکھٹاتی ہیں۔

''رلیئے کی نظریں پرال میں دھنسے پیروں پر تھیں اتنے ملوک پیر، اتنے تو چنی کے گال بھی نہ تھے۔۔۔''سائیں حکم ہوتو پیر دبادوں''۔''رلیا سر کی لگا کے پکھی بند کردے پہلے'' کمر پر بندھی چکی گھمر گھمر چلنے لگی''۔(۳۱)

''داداجی نے دیکھا کہ پھوپھی جھری سے باہر جھانک رہی ہے تو پھر۔۔۔داداجی مرحوم نے نہ کچھ دیکھا نہ پوچھا پستول نکالا، بھیجا اڑ کر لوہے کی سلاخوں سے جا چپکا اور پھر۔۔۔نہ جنازہ نہ قبر، ہمارے خاندان کی غیرت اللہ اللہ۔۔۔''آپ بھی دیوار چنوادیں۔سنا ہے اس دن کی لال آندھی آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کو اڑا لے گئی تھی''۔ملک گام کی بند آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔۔۔''۔''اور سنا ہے کہ رحموں مسلی کے جھونپڑے میں لے جا پٹخا''۔(۳۲)

دیہاتوں کی روایتی تصویر کشی نہایت رومان انگیز ہوتی ہے۔لہلہاتے کھیت۔۔۔محنت کش ہالی۔۔۔اور لچکتی ڈالیوں سی مٹیاریں۔۔۔لیکن حقیقت کی سنگینی سے چھلنی جس استحصال زدہ ماحول کو طاہرہ پیش کر رہی ہیں اس کے لئے عقبی پردہ آغا حشر کے ڈراموں جیسا نہیں ہوسکتا تھا۔طاہرہ کے اندر کی تلخی Irony بن جاتی ہے وہ جبر واستبداد کے پنجے میں جکڑے بے بس کیڑوں جیسے انسانوں کے نفرت انگیز مکروہ Miniatures بناتی ہیں جو Pathetic نہیں کراہت انگیز ہیں۔اسی طرح جبر کی شدت کو بڑھاوا دینے کے لئے آندھیوں، دھول، مٹی، واورولوں، کنڈیاروں اور بھکڑوں کی تصویریں اتارتی ہے:

''دور دور ابھرے ٹیلوں پر آک، کنیر، بھکھڑا، کنڈیاریاں ورلی ورلی پھیلی تھیں، روڑ گیئے بھرے میدانوں میں کریاں، تھور، آک زہری بوٹیاں، زرد چاندنی کی مہین تہہ میں سب لپٹے تھے جیسے موت کی زردی سب کے چہروں پر پھینٹ دی گئی ہو۔''(۳۳)

''پچھلے ان گنت گرم موسموں کی حدت نے اس روز کی گرمی میں پناہ لے رکھی تھی۔سیاہ جھلی ہوئی چھال والے قابلی کیکروں پر بیٹھے جنگلی کبوتر حدت کی سولی پر چڑھ گئے تھے اور بیا کے خالی گھونسلوں کے ہمراہ سر کے بل لٹک رہے تھے اور کھلی ہوئی چونچیں سلگتی دھول سے اٹی تھیں''۔(۳۴)

''کوٹھڑی کی چھت میں سوئی ہوئی چمگادڑیں، چڑیاں اور لالیاں کوٹھڑی کی اندھی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر منہ کے بل گرنے لگیں تمام حشرات الارض مٹی کی کوکھ سے اُبل کر فرش پر رینگنے لگے۔ کرلاہٹ اور کلبلاہٹ سارے گھر میں بھر گئی۔''(۳۵)

''شلواریں گھٹنوں تک چڑھی ہوئیں ایک ٹانگ میز پر رکھے اور دوسری چارپائی پر بچھائے رانوں کے بیچ آتشک کی آگ خراشتے ہوئے، جن کے میلے کپڑوں اور ان دُھلے جسموں کا اُمس ایسے بکھرا پھیلا تھا جیسے کسی جانور کی اوجھڑی چیر دی گئی ہو''۔(۳۶)

''کیچڑ کے سیاہ لیپ میں چھپی پلکوں تلے لال انگارہ جلد دہکنے لگی۔ موٹے بھدے سیاہ ہونٹوں سے جھاگ بھرا کف ابلنے لگا، گندے پانی میں بلبلے بننے لگے۔ پاؤں پھر سامنے آ گئے۔ کف بلبلے چھوڑتا چلا گیا۔''(۳۷)

''تھیٹر خیمے کے کھلے در سے موہنا داخل ہوا۔۔۔ ناک سے بہتی سنک موٹے موٹے سیاہ کھلے ہونٹوں کو چھو رہی تھی اور موٹی موٹی آنکھوں والی سبز مکھیاں ناک، کھلے منہ، آنکھوں کے کناروں اور چہرے پر جمی دھول پر بنی غلیظ لکیروں میں منہ مار رہی تھیں۔''(۳۸)

''جوان عورت نے دور چارلاتیں ہڈیوں کے پنجرے میں اور لتاڑیں پیپ بھرے لاروے بڑھیا کے ہونٹوں کے کناروں اور آنکھوں کے کونوں پر رینگتے اور لال لال آنکھوں والی مکھیاں کھلے منہ میں آتی جاتی تھی۔''(۳۹)

اس کرلاہٹ اور کلبلاہٹ والے ماحول میں عورت ہو، گھوڑی ہو، بھینس ہو یا کتیا۔۔۔ سب کا درجہ، مقام، مرتبہ اور مصرف برابر ہے۔ مادہ جانوروں کے لئے لازم ہے کہ وہ زمین کی طرح زرخیز اور بارآور ہوں وگرنہ موت ان کا مقدر ہے:

''اب کے بھی ملے بغیر آئی ہو تو گولی مار دو تھارو بریٹ کو، دو سال سے پھنڈ رہے۔۔۔ ہر سال سرکار کو خچر دیا پر یہ۔۔۔ ریکارڈ خراب کر کے رکھ دیا حرامزادی نے۔۔۔ تھارو بریٹ۔۔۔ حرامزادی ملتی نہیں، بہتی پاک دامن، گولی کھا مرے گی۔''(۴۰)

''چاچا جی نے لوڈ پستول تکیے کے نیچے سے نکالا اور قدموں میں بیٹھی شکاری کتیا کے ماتھے کے بیچوں بیچ نشانہ لیا۔ کتیا ایک ہی طویل چیخ خون کے ساتھ پوری زبان لٹکا کر بے جان ہو گئی۔''(۴۱)

''ہاں پچھلے سال یہی تو تھی گلابوں والے ڈیرے کی ملکہ مکھی۔ جب رنگ روپ نچڑ جاتا ہے تو پھر حویلی میں کامی بنا میرے سر ڈال دیتے ہیں۔۔۔ اسی کی چھوٹی بہن آج کل خرگوشوں اور ساہنوں کا ماس کھاتی اور مجونوں اور سلفوں کی سان پر چڑھتی ہے۔''(۴۲)

''مینی نے پچھلی ٹانگ پھیلا اور اگلا کُھر اٹھا کر جنبش کی، پلٹوئی چھلک گئی۔۔۔ ارے کھاتی بھی ہے اور ٹانگ بھی مارتی ہے، حرامزادی! تجھ سے دودھ لینے کو ہی رکھا ہے تجھے، ورنہ قصائی کے چھرے تلے نہ دے دوں تجھے۔''(۴۳)

''دھول بھری گلیوں کو رولیٹ کتوں نے پنجوں سے کرید دیا تھا جو کت پر آئی کتیا کے پیچھے لگے تھے۔ کتیا کھالے، بنے، دیواریں، کوٹھے ٹاپتی اپنے وجود میں اُگ آئی نمو کی آگ سے خود کو بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اور پھر سب سے برق رفتار کتے نے اپنے ہی بدن کی مجبوری سے بے باس کتیا کو جکڑ لیا۔'' (۴۴)

''ٹرکوں، بسوں، کے ڈرائیور اور ان کے لونڈے خوراک میں سنی ہوئی انگلیاں چاٹنے اور منہ سے

پٹاخے چھوڑنے لگے، برائلر کا گوشت دانتوں تلے کچکچاتے، ہڈیاں چچوڑتے، لتھڑے ہوئے چپے آوازیں پیدا کر کر کے چوستے اور بھرے پیٹ کی ڈکاروں کا تعفن عالاں کے چہرے پر چھٹتا۔۔۔پش پش، ہش ہش، چو چو۔''(۴۵)

''سامنے کیکر سے بندھی بھینس کے اردگرد کھلا سانڈ گھوم رہا تھا۔ گاؤں بھر کے بچے اور نوجوان دائرے بناتے سانڈ کو ہلاشیری دے رہے تھے نمبردار نے پکار کر پوچھا۔۔۔اوئے ملائی ہوئی کہ نا؟ نمبردار جی! ابھی کام ٹھنڈا ہے۔ پر ادھر تو کام گرم ہے''۔ نمبردار نے اپنے رانوں پر ہاتھ مارے۔۔۔نوجوانوں نے سانڈ کی مردانگی پر لذیذ نعرے بلند کئے۔ بھینس لگ گئی تھی۔''(۴۶)

''چودھری نے گلہری کی دُم جیسی مونچھوں کو تھپتھپایا۔۔۔''چودھری قاسم علی! تجھے پتہ ہے نا کہ وہٹی کیا ہوتی ہے؟ ہاں ابا۔۔۔عورت ہوتی ہے ابا جیسے امی۔۔۔''اوئے نئیں کملیا۔۔۔گری ہوتی ہے کچی گری، بس کچر کچر چر جاؤ ذرا بھی نہ بچے۔''(۴۷)

طاہرہ وحشی جبلتوں کے منہ زور گھوڑوں پر سوار ان دیہاتیوں کی رگ رگ سے واقف ہیں۔ عورت کے جسم سے لے کر مذہب تک ان کے ہاں Exploitation ہی Exploitation ہے۔ سادہ اور معصوم فطرت کی آغوش میں پلنے والے یہ دیہات کے باسی بڑے ہی کھچرے اور میسنے ہیں۔ اپنے فائدے کے لئے مذہب کو کیسے استعمال کیا جاتا ہے، یہ بتانے کے لئے انہیں کسی مسیت کسی ملا کے واعظ کی ضرورت نہیں۔

'گنجی بار' کی کینی ماں کے 'ادھل' جانے کے طعنے سنتی جوان ہوئی تو گاؤں والوں نے 'شاملات' بنالیا۔ نتیجتاً حاملہ ہوگئی:

''اب مولبی کہتا ہے۔۔۔ پتھر روڑے مار مار مار دی جائے گی''۔ اور مولبی بھی وہ ''جیہڑا آپ۔۔۔آپ میری کوٹھڑی کا بوھا بھن بھن گیا''۔ اور وہ ماسی پھتاں، پھوپھی ستاں، چاچی جنداں، ماسی بکھاں جو خود کمادوں اور جھگیوں کے پچھواڑے مصروف رہیں آج اس کا حمل گرانے کے درپے ہیں کیونکہ ناجائز بچے کی پیدائش۔۔۔''بڑا پاپ ہے، مسیت کا مینار ڈھ جائے گا۔ ڈھور ڈنگر کو منہ خور آجائے گا، نہریں سوکھ جائیں گی۔''(۴۸)

پکھی واس رلیا نے نمبردار سے قرض لیا جس کی وصولی اس کی بیوی چنی سے کی جارہی ہے۔ رلیا کو اس پر اعتراض نہیں لیکن جب چنی رات کو اس کے پاس آنے سے انکار کر دیتی ہے تو رلیا کو بھی مذہب کے احکامات یاد آجاتے ہیں:

''میں دیکھتا ہوں تو اپنے بندے کو کیسے ناں کرتی ہے۔ گدھی حرامڑ! تجھے پتہ ہے خاوند کو نہ کرنا کتنا گناہ ہے۔ اللہ سائیں کیسا ٹھک کے ناراض ہوتا ہے۔''(۴۹)

اکو مصلی سارے گاؤں کا کاما ہے۔ شب بسری کے لئے گاؤں کی عورتوں کو لانے کے احکامات بھی اسی کو دیئے جاتے ہیں۔''اوئے اکی دُکی آوے۔۔۔''''بادشاہ جی بڑی چیری ہے، نہیں مانتی''۔۔۔''تُو خنزیر کی رت، اک زنانی نہیں سنبھلتی تجھ سے۔۔۔'' اور جب یہی اکو مر جاتا ہے تو

اس کا جنازہ جائز نہیں۔''بڑا سمجھایا، بڑا سمجھایا، کوئی رَن کن کرلے۔ساری حیاتی ڈب میں روٹی۔۔۔کون پڑھے مکروہ جنازہ' مرا دو گجری چیخی کہ میرے ساتھ نکاح ہوا ہے تو۔۔۔ ''چودھری نے سگریٹ سے سگریٹ سلگایا اور فلٹر والا ٹوٹا ڈیرے کی دوفٹ اونچی دیوار کے پار پھینکا۔۔''مرادو تیرا نکاح تو سمجھو آدھے گاؤں سے۔۔۔اور پھر کوئی کاغذ کوئی گواہ۔۔۔عورت کی تو گواہی ہے ہی آدھی۔''**(۵۰)**

''غلام محمد فاتر العقل گاؤں بھر کا 'بچہ جمہورا' اس کا بہترین مصرف 'حلالے' کرانا ہے۔اگر گاؤں کا مولوی اعتراض کرتا ہے کہ وہ شرعاً نکاح کے قابل نہیں تو پنچایت فوراً جواب دیتی ہے۔''ملا جی! اگر وہ جماعت کھڑی کروانے کو پھٹ ہے تو پھر حلالہ کروانے کو بھی بڑا اٹیٹ ہے۔''**(۵۱)**

دیہاتی زندگی کے عکاس افسانہ نگار عام طور پر دیہات اور شہر کے درمیان کشاکش دکھاتے ہیں اور دیہاتی مہاجرین سے شہریوں کی بے مہری کو موضوع بناتے ہیں۔لیکن طاہرہ نے جن افسانوں میں دیہات کو موضوع بنایا ہے انہوں نے ان میں انہی کی آپس کی Tension کو بیان کیا ہے۔وہ پنچائتیں بٹھاتے ہیں قتل کے، لوٹ مار کے، شادیوں اور ووٹوں کے فیصلے خود کرتے ہیں۔طاہرہ کی کہانیوں کی پور پور دیہی رنگ میں رنگی ہے۔وہ انہی کی زبان بولتی ہیں۔۔۔کچر کچر کچی گری جیسی زبان۔۔۔جس کی بلاغت کو وہاں کی گالیوں کا تڑکا لگا ہے۔فطرت کی کچی کچی از حد وحشی دہک اپنے بیان کے لئے اور ایک زندہ فضا اپنی تخلیق کے لئے ایسے ہی اسلوب کی متقاضی ہے۔

''اب کی بار جو گلابو اُن توانائیوں کی سان تھی وہ سولہ سترہ برس کی کپاسی کلی تھی جس کی جنگلی چھب اور بیر بہوٹی سی چمک سرخ گلابوں کی آتش کو سرد کر گئی تھی۔خارِ مغیلاں سے لپٹتی نازو نازک لغریں اور سنہری پتیاں جیسے پھولوں سے بھری کریلے کی بیل نیم کی نمکولیوں سے لپٹی ہوئی، جیسے کری کا جنگلی جھاڑ لال کٹوریوں جیسے پھولوں سے ڈھکا ہوا ارغوانی مشروب سے لبالب۔''**(۵۲)**

''بول دلاورا کدھر ہے۔۔۔بول ورنہ ہم بکوائیں گے، ہم جو دل کے مرزے، دماغ کے ہٹلر اور جثّے کے جگے ہیں۔ان سب کو ملا کر جو ایک بنتا ہے اسے کیا کہتے ہیں، بول صاحباں بول، اسے سپاہی کہتے ہیں۔۔۔یہ دل کے مرزے صوباں کے گرد دھمالیں ڈالنے چیخنے چلانے لگے۔۔۔ ''تیری کوکھ سے ہی حرامی نکلا ہے، یہیں سے تفشیش شروع ہوگی۔اوئے فقیریئے! ذرا سنوار کے تلاشی لونا صاحباں کی۔۔۔مرزا بن کے۔۔۔ایک ایک تو پا ادھیڑ دو کنجری کا۔۔''**(۵۳)**

''جب وہ قریب سے گزری تو ولی محمد نے روبی کے ماتھے پر مکھن کی گولی رگڑتے ہوئے کہا۔۔''چن چڑھ گیا اے''۔۔۔وہ باز ولہرا کر چیخی۔۔۔''تمہاری بہن بیٹیوں کے چن چڑھ گئے ہوں گے۔پلید کتوں کے ماشیئے''۔سارے ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے۔''**(۵۴)**

''اگلی صبح بالو نے کمرے سے نکل لسوڑی کے بوٹے کے سائے میں آکر انگڑائی توڑی۔چودھری اور نذیراں دونوں کو لگا وہ راتوں رات زیادہ بھرپور ہوگئی ہے۔جیسے پکی ہوئی لسوڑیوں کا رس اپنے

ہی زور سے چھلکے کا منہ پھوڑ ٹپکنے لگے۔مہندی میں گچ گچ، بٹنے میں رچ رچ،کورے بدن کا انگ انگ بجنے لگا ہو،جیسے خطرے کی سیٹیاں کُوکیں۔۔۔‘‘(۵۵)

’’ڈھائے والے ٹبے سے اُتر سورج گنجی بار کے وسیع تھالوں میں بھری فصلوں پر بجھ گیا تھا۔سکینہ گوموت سے گوچھڑ شلوار قمیض میں دتو کو چھپائے پکارتی تھی‘ ونٹر اماں مڑآ،اماں بھک لگی،اماں آٹے والی مٹکی خالی ہے، پانی والی گھڑی سوکھی ہے،کوٹھے میں کوڑیاں والا ہے اور کمادوں میں کتلیوں والے گنے چوپتے ہیں‘۔ ہر چیخ کے ساتھ بین کے روڑوں کا چھینٹا حلق میں سے ٹپکتا، پکتے روڑ رڑکتے،آنکھوں سے گھل گھل گاز بہتی۔‘‘(۵۶)

’’ہائے ماں خنزیرنی ذرا ذرا بال چھوڑ،ادھل گئی‘‘۔’’خصم مرے چوتھی رات منہ کالا کرگئی،ماں نہیں ڈائن،اُ کا ڈائن،ہائے نی عشقے دی اگ بُری،جھیز بیذ سراچ بھا پاوے۔‘‘(۵۷)

’’گلابو گھٹی گھٹی ہنسی ہنسی جیسے آک کے پتوں سے گاڑھا گاڑھا دودھ نمارس ٹپکتا ہو،جیسے بیلن کے نال سے از حد میٹھی راب بہتی ہو۔۔۔جیسے لسوڑیوں کا گودا از خود پیڑ سے ٹپکنے لگے،منہ کھولو تو سیدھا حلق میں، شکاری کتوں نے رالیں ٹپکاتی تڑپتی پھڑکتی لال لال زبانیں نکال کر مالک کی تائید میں بخ بخ کی اور بھنا ہوا گوشت،دیسی فرائی انڈے اور مکھن کے پیڑے نگلے۔‘‘(۵۸)

’’وہ بدمعاش بھی ایسی فسادی کہ بھونکنے،بھنبھوڑنے کو کوئی نہ کوئی ہڈی ماس پھینک ہی جاتی،کبھی چیرویں آنکھ کی آب سے کچھ ڈھلک جاتا،کبھی بھیگے بھیگے لبوں کی تری سے کچھ ٹپک جاتا،کبھی کھال میں خود کو سموئے رکھنے کی کوشش میں کچھ اُبھر اُمڈ آتا اور جب وہ گزر چکتی تو سارے ہونٹ چاٹتے ہوئے لکڑی بنے نرگٹوں میں خشک تھوک نگلتے:’’نری کنجری،لچی،بدمعاش،غنڈی۔‘‘(۵۹)

’’نمبردار دھاڑا۔۔۔’’اوئے ماں کے یارو!میں نے کہا نہ تھا کہ اسے کمر کمر تک ریت میں پور دو، یہیں کھڑا کھڑا مر جاتا لیکن گرتا تو نہ۔‘‘(۶۰)

’’حمید کا درانتی والا ہاتھ ایک ہیجانی نعرے کے ساتھ فضا میں بلند ہوا اور اصغرے کا سر گردن سیاڑ کر قریبی کھال میں ایوں جا گرا جیسے نرمے کی ٹہنی سے گوکھڑا ٹوٹ کر گرتا ہے،جیسے کماد کی پوری ٹوکے سے ٹکراتی ہے۔‘‘(۶۱)

طاہرہ بنیادی طور پر کہانی کار ہیں اس لئے وہ صرف دیہاتی عورت پر ٹوٹنے والی قیامتوں کو ہی بیان نہیں کرتیں ان کے پاس شہروں میں بسنے والی پڑھی لکھی عورتوں کے مصائب کی کہانیاں بھی ہیں۔لیکن یہ میرا تعصب ہے کہ جب وہ گنجی بار کی کہانیاں بُنتی ہیں تو پھر کچھ اور ہی عالم ہوتا ہے اسی لئے میں نے انہیں Eco-feminist کی حیثیت سے پیش کرنے کے لئے صرف وہ کہانیاں منتخب کی ہیں جن کی بو باس ان کی روح میں رچی ہوئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علامہ راشد الخیری، 'شرع کا خون'، مشمولہ: حور اور انسان (دہلی: عصمت بک ڈپو، ۱۹۳۶ء)، ص ۳۲

۲۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی، جہات (کراچی: ارتقا مطبوعات، ۲۰۰۴ء)، ص ۹۶

۳۔ سعادت حسن منٹو، دیباچہ: نگار خانہ از دامودر گپت (لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۴ء)، مترجم: میراجی، ص ۸

۴۔ محمد عابد بھٹی، طاہرہ اقبال کی افسانوی نثر کا موضوعاتی اور اسلوبیاتی مطالعہ، تحقیقی مقالہ برائے ایم فل اردو (بہاولپور: شعبہ اردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی، ۲۰۱۳ء)، ص ۵

۵۔ طاہرہ اقبال، شب خون، مشمولہ: سنگ بستہ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۲۲

۶۔ طاہرہ اقبال، پکھی، مشمولہ: گنجی بار (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۹۹

۷۔ طاہرہ اقبال کی افسانوی نثر کا موضوعاتی اور اسلوبیاتی مطالعہ، ص ۸

۸۔ ایضاً، ص ۷۔۸

۹۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۳۴۷

۱۰۔ طاہرہ اقبال، انتساب: گنجی بار، ص ۳

۱۱۔ طاہرہ اقبال ریخت، مشمولہ: ریخت (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۳۔ طاہرہ اقبال، کھنڈے، مشمولہ: ریخت، ص ۸۷

۱۴۔ طاہرہ اقبال، گلابوں والا ڈیرہ، مشمولہ: زمین رنگ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۸

۱۵۔ طاہرہ اقبال، ہڑپہ کی چرواہی، مشمولہ: زمین رنگ، ص ۹۶

۱۶۔ طاہرہ اقبال، پردہ دار حویلی، مشمولہ: زمین رنگ، ص ۱۰۷

۱۷۔ طاہرہ اقبال، رخصت پا گیا، مشمولہ: گنجی بار، ص ۳۱۲

۱۸۔ طاہرہ اقبال، روشن دان، مشمولہ: زمین رنگ، ص ۱۷۴

۱۹۔ گلابوں والا ڈیرہ، ص ۱۵

۲۰۔ پردہ دار حویلی، ص ۱۱۳

۲۱۔ طاہرہ اقبال، گندا کیڑا، مشمولہ: ریخت، ص ۳۲

۲۲۔ ہڑپہ کی چرواہی، ص ۸۱

۲۳۔ طاہرہ اقبال، گنجی بار، مشمولہ: گنجی بار، ص ۱۳۳

۲۴۔ ایضاً،ص۱۳۸۔۱۳۹
۲۵۔ ہڑپہ کی چرواہی،ص۹۶۔۹۷
۲۶۔ کھندے،ص۸۵،۸۶
۲۷۔ ایضاً،ص۸۶۔۸۷
۲۸۔ طاہرہ اقبال،پکھی،مشمولہ:گنجی بار،ص۱۹۷۔۱۹۸
۲۹۔ ایضاً،ص۲۰۰
۳۰۔ طاہرہ اقبال،رخصت پا گیا،مشمولہ:گنجی بار،ص۳۱۴
۳۱۔ پکھی،ص۲۰۲
۳۲۔ طاہرہ اقبال،ریخت،مشمولہ:ریخت،ص۲۶
۳۳۔ طاہرہ اقبال،ماں ڈائن،مشمولہ:گنجی بار،ص۹۷
۳۴۔ طاہرہ اقبال،ملیچھ،مشمولہ:ریخت،ص۶۷
۳۵۔ طاہرہ اقبال،پٹھانی،مشمولہ:سنگ بستہ،ص۲۰۳
۳۶۔ طاہرہ اقبال،لاری اڈا،مشمولہ:زمین رنگ،ص۲۲۵
۳۷۔ ملیچھ،ص۶۲
۳۸۔ طاہرہ اقبال،بھوک بھنور،مشمولہ:سنگ بستہ،ص۱۳۸
۳۹۔ لاری اڈا،ص۲۲۷
۴۰۔ رخصت پا گیا،ص۳۱۲
۴۱۔ گلابوں والا ڈیرہ،ص۲۱
۴۲۔ ایضاً،ص۱۸
۴۳۔ طاہرہ اقبال،گھم گھم مدھانی،مشمولہ:گنجی بار،ص۱۶۱
۴۴۔ طاہرہ اقبال،روشن دان،مشمولہ:زمین رنگ،ص۱۸۲-۱۸۳
۴۵۔ لاری اڈا،ص۲۲۵
۴۶۔ طاہرہ اقبال،بیگی دا،مشمولہ:زمین رنگ،ص۱۵۹
۴۷۔ طاہرہ اقبال،عزت،مشمولہ:گنجی بار،ص۴۴
۴۸۔ گنجی بار،ص۱۴۶-۱۴۷
۴۹۔ پکھی،ص۲۰۰
۵۰۔ رخصت پا گیا،ص۳۱۹
۵۱۔ بیگی دا،ص۱۵۴
۵۲۔ گلابوں والا ڈیرہ،ص۱۵
۵۳۔ ماں ڈائن،ص۸۸
۵۴۔ گندا کیڑا،ص۳۷
۵۵۔ عزت،ص۴۸
۵۶۔ گنجی بار،ص۱۲۹
۵۷۔ ایضاً،ص۱۳۲
۵۸۔ گلابوں والا ڈیرہ،ص۱۷
۵۹۔ پردہ دار حویلی،ص۱۱۰
۶۰۔ بیگی دا،ص۱۵۸
۶۱۔ روشن دان،ص۱۷۵